ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.2 (2026)
(April to June)

جدید اُردو شعرا کے ہاں "جنگل" کا استعارہ

The Metaphor of the Forest in the Poetry of Modern Urdu Poets

سعدیہ افضل
ایم۔فل سکالر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد
بازغہ قندیل
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد

Sadia Afzal
M.Phil. Scholar, Department of Urdu, Government College Women University, Faisalabad
Bazghah Qandeel
Assistant Professor, Department of Urdu, Government College Women University, Faisalabad

Article Details
Received:
May 28, 2026
Accepted:
June 5, 2026
Online Published:
June 30, 2026

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: Metaphor plays a key role in modern Urdu poetry, expressing complex social, political, cultural, and psychological realities. Among its recurring symbols, the "forest" is especially significant, representing chaos, alienation, fear, oppression, social decline, and the fragmentation of human values. Poets use this metaphor to portray the challenges of life in a rapidly changing world. This study explores the forest metaphor in modern Urdu poetry and its various meanings. It shows how the forest symbolizes inner conflict, isolation, insecurity, and the search for identity, while also serving as a critique of social injustice, authoritarianism, and moral decline. In some contexts, the forest also represents freedom, resistance, and renewal. The findings suggest that the forest has become a rich and multilayered symbol in modern Urdu poetry, reflecting the concerns and experiences of modern poets. The study highlights its importance in understanding symbolism and contemporary human experience in Urdu literary expression.

Key words: Metaphor, modern Urdu poetry, especially significant, symbolizes, multilayered symbol, literary expression

اُردو ادب میں جنگل کو ایک اہم استعارہ کے لحاظ سے سمجھا کیا گیا ہے۔ شعرا کے ہاں جنگل کو بطور استعارہ انسانی نفسیات، خواہشات نظریات کی عکاسی کے ساتھ ساتھ انسانی جذبات و احساسات کی طرف خاص توجہ دلاتی ہے۔ کلاسیکی دور کے شعراء نے بھی جنگل" کو بھی انسانی دکھ، نفسیات. اور غم سے منسلک کیا ہے جنگل صرف استعارے کے طور پر نہیں بلکہ یہ انسانی باطن، سماجی، سیاسی، و تہذیبی الجھن کو ظاہر کرتا ہے۔ کلاسیکی شعر جن میں مرزا غالب، فراق گھورکھپوری، ناصر کا بھی ان کے ہاں جنگل " صرف ایک لفظ نہیں بلکہ یہ وجود کی تنہائی اور وجودی کرب وحشت و تنہائی کی اعلی نمائندہ ثابت ہوتا ہے۔ کلاسیکی شعرا نے جنگل کو بطور وحشت و کرب کے لحاظ سے اپنی شاعری کا حصہ بنایا جیسے ناصر کاظمی کی غزل گلی گلی میری یاد بچھی ہے پیارے رستہ دیکھ کر چل، شعر ملاحظہ ہوں:

ایک سمے ترا پھول سا نازک ہاتھ ہاتھ تو تھا میرے شانوں پر
ایک یہ وقت تھا کہ میں تنہا اور دکھ کے کانٹوں کا جنگل(۱)

"جنگل" کو انسان کے دکھ، تکلیف، اور وحشت سے ظاہر کیا گیا ہے "جنگل"، "تنہائی کی عکاسی کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے یہ اس محبت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اجڑ چکی ہے۔ اس کے استعارے کا استعمال یہ ظاہر کرتا ہے کہ جب محبوب کا دکھ تکلیف بھر جائے تو عاشق کا دل صرف اور صرف ایک خالی مسکن رہ جاتا ہے "جنگل، انسانی وحشت کی عکاسی کرتا ہے۔ جدید دور میں "جنگل" ایک نئے معنوی پس منظر کے ساتھ سامنے آیا۔ جدید شاعروں نے جنگل کو صرف فطری منظر کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ اسے انسانی معاشرے، سیاسی جبر، اخلاقی زوال، خوف، تنہائی اور انتشار کی علامت بنا دیا۔

احمد فراز:

احمد فراز کے ہاں "جنگل" ایک گہرا استعارہ ہے جو ان کے سیاسی شعور اور رومانوی مزاج کی عکاسی کرتا ہے ان کے نزدیک جنگل اکثر جبر، استحصال اور جنگل کے قانون والے معاشرے کی علامت ہوتا ہے جہاں طاقتور کمزور کو کچلتا ہے۔ یہ انسان کی داخلی تنہائی اور بے بسی کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ جہاں انسانیت سے محروم شہر بھی انہیں ویران جنگل محسوس ہوتے ہیں۔ فراز نے سماجی برائی کے پھیلاؤ کو "جنگل" کی آگ سے بھی تشبیہ دی ہے۔۔ جو سب کچھ بھسم کر دیتی ہے۔ مزید برآں وہ خود کو جنگل کے آزاد پرنوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جنھیں شہری زندگی میں قید کر لیا گیا ہے یوں جنگل فطری آزادی اور شہر قید کی علامت بنتا ہے۔ اس سے احمد فرزر کی نظم "اے میرے وطن کے خوش نواؤ کے حوالے سے اشعار دیکھیے:

اک عمر کے بعد تم ملے ہو
اور میرے وطن کے خوش نواؤ
جنگل یہ مہک رہے ہیں شعلے
طاؤس کو رقص کی پڑی ہے(۲)

احمد فراز کی اس نظم کے اشعار میں جنگل سے مراد معاشرہ یا وطن ہے جبکہ شعلے ظلم بربریت اور بگڑتے حالات کی علامت ہیں۔

منیر نیازی:

منیر نیازی کے ہاں جنگل کے حوالے سے شاعری اردو ادب کا ہم زریں باب ہے۔ منیر نیازی نے جنگل کو بطور استعارہ استعمال کر کے انسانی تنہائی اور سماجی مشکلات کو بیان کیا ہے۔ منیر نیازی کے ہاں جنگل، صرف قدرتی مقام نہیں بلکہ خوفناک اور خطرناک دنیا کی علامت کو ظاہر کرتا ہے جہاں انسان خوف سے خود کو غیر محتاط سمجھتا ہے۔ منیر نیازی کی نظم جنگل میں زندگی معاشرتی اور سماجی بے راہ روی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس نظم کے چند اشعار پیش خدمت ہیں جو جنگل" کو معاشرتی بے داروی سے جوڑتے ہیں۔

پر اسرار بلاوں والا
سارا جنگل دشمن ہے
شام کی بارش کی ٹپ ٹپ اور میرے گھر کا آنگن ہے

ہاتھ میں اک ہتھیار نہیں
باہر جاتے ڈرتا ہوں
رات کے بھوکے شیروں سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں(۳)

منیر نیازی کے ہاں جنگل معاشرتی اور سماجی جبر کا نام ہے جو انسان کے چین و آرام کو ختم کر دیتا ہے "جنگل"، شاعر کی نظر میں انسان کے اندرونی خوف کی عکاسی کرتا ہے جو اپنے ہی معاشرے میں محصور کر دیتا ہے۔ معاشرتی جبر، استحصال، خوف کو جنگل کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے یہاں ہر وقت خوف و خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ شاعر نے جنگل کو ایسی وحشی جگہ سے منسوب کیا ہے کہ جہاں ہر وقت خوف و خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ منیر نیازی کے ہاں جنگل میں ایسی تعمیری علامت ہے جو جبر ظلم و ستم کے ساتھ ساتھ معاشی و معاشرتی استحصال کو پیش کرتا۔ ہے۔ منیر نیازی کی نظم جنگل کا جادو میں جنگل ایک اہم استعارہ ہے جہاں صرف انسان اپنی اصلی پہچان بھول چکا ہے نظم "جنگل کے جادو" کے چند اشعار ملاحظہ ہیں:

جس کے کالے سایوں میں ہے وحشی چیتوں کی آبادی
اس جنگل میں دیکھی میں نے لہو میں لتھڑی اک شہزادی
اس کے پاس ہی ننگے جسموں والے سادھو جھوم رہے تھے
پیلے پیلے دانت نکالے نعش کی گردن چوم رہے تھے
ایک بڑے سے پیڑ کے اوپر کچھ گِدھ بیٹھے اونگھ رہے تھے
سانپوں جیسی آنکھیں میچے خون کی خوشبو سونگھ رہے تھے(۴)

منیر نیازی کی نظر میں جنگل اصل ایسی جگہ ہے جہاں طاقتور لوگ کمزور طبقے کو ہڑپ کرنے کے چکر میں ہیں۔

شکیب جلالی:

شکیب جلالی کی شاعری میں "جنگل "ایک نہایت گہری، بامعنی اور ہمہ جہت علامت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ یہ محض درختوں، جھاڑیوں اور قدرتی مناظر کا استعارہ نہیں بلکہ جدید انسان کے باطنی انتشار، وجودی بحران، روحانی تنہائی اور سماجی بے سمتی کی بھرپور علامتی تشکیل ہے۔ شکیب جلالی نے جنگل کو ایک ایسی داخلی دنیا کے طور پر پیش کیا ہے جہاں انسان اپنی شناخت، سکون اور معنویت کی تلاش میں مسلسل سرگرداں دکھائی دیتا ہے۔ ان کے ہاں جنگل کی وسعت، خاموشی، پراسراریت اور بے راہ روی دراصل انسانی ذہن کی پیچیدگیوں، خوف، اضطراب اور بے یقینی کی ترجمانی کرتی ہے۔ شکیب جلالی کے عہد میں تیزی سے بدلتی ہوئی سماجی، تہذیبی اور صنعتی زندگی نے انسان کو اپنی فطری اور روحانی اقدار سے دور کر دیا تھا۔ اسی پس منظر میں ان کی شاعری کا جنگل جدید تہذیب کی پیدا کردہ بیگانگی، احساسِ محرومی اور داخلی و خارجی تضادات کا استعارہ بن جاتا ہے۔ انسان بظاہر ترقی کی منازل طے کر رہا ہے، لیکن باطن میں وہ تنہائی، بے مقصدیت اور وجودی کرب کا شکار ہے۔ جنگل کی تاریکی، خاموشی اور بے کنار وسعت اس نفسیاتی کیفیت کو نہایت مؤثر انداز میں آشکار کرتی ہے۔

ان کی شاعری میں جنگل صرف خارجی فضا کی عکاسی نہیں کرتا بلکہ انسانی باطن کی ایسی پیچیدہ دنیا کی نمائندگی کرتا ہے جہاں خوف، تشویش، شکستِ ذات، محرومی، بے یقینی اور بے نام اندیشے مسلسل گردش کرتے رہتے ہیں۔ جنگل میں راستوں کا گم ہو جانا دراصل زندگی کے واضح مقاصد سے محرومی اور شناخت کے بحران کی علامت بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شکیب جلالی کے ہاں جنگل ایک ایسی

علامت کی صورت اختیار کر لیتا ہے جو انسان کے داخلی انتشار اور اس کی روحانی تنہائی کو نہایت شدت سے اجاگر کرتی ہے۔ شکیب جلالی کی غزل خموشی بھول اٹھے ہر نظر پیغام ہو جائے کے چند اشعار پیش خدمت ہے:

؎ خموشی بول اٹھے ، ہر نظر پیغام ہو جائے

یہ سناٹا اگر حد سے بڑھے کہلام ہو جائے
ستارے مشعلیں لے کر مجھ بھی ڈھونڈنے نکلیں
میں رستہ بھول جاؤں ، جنگلوں میں شام ہو جائے(۵)

شکیب جلالی جنگل کو محض اندرونی منظر کے تناظر میں ہی نہیں بلکہ اندرونی کیفیت اور داخلی کشمکش میں بھی پیش کرتے ہیں سناٹا اس حد تک ہو گیا ہے کہ وہ ہنگامہ میں تبدیل ہو گیا ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ انسان کے اندر دبی ہوئی کیفیت جب شدت پکڑے تو وہ بحران کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ شکیب جلالی کے ہاں جنگل کا استعارہ گمشدگی کے تنہائی کو ظاہر کرتا ہے البتہ ان کے ہاں جنگل، معاشرے کے بحران کو ظاہر کرتا ہے۔

عباش تابش:

عباس تابش کی شاعری میں "جنگل" کا استعارہ داخل وحشت، تنہائی اور انسانی جبلتوں کی کلیدی علامت ہے۔ یہ صرف درختوں کا جھنڈ نہیں بلکہ روح کی وہ کیفیت ہے جہاں انسان خود کو سماجی بندھنوں سے آزاد مگر شدید تنہا محسوس کرتا ہے ان کے نزدیک جنگل انسان کی اندرونی وقت کا پھیلائے اور ویرانی ریاست سے گہرا تعلق رکھتا ہے جو جدید نفسیاتی حالت کی عکاسی کرتا۔ نقاد انہیں فطرت کے نامیاتی تصور کا شاعر قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں جنگل شجر اور دشت انسانی زندگی کے تغیرات سے جڑے ہوئے ہیں شمالی و نفسیاتی طور پر، جنگل خوف کا منبع ہے ایک قدیم پناہ گاہ بھی جہاں جبلتیں۔ بیدار ہوتی ہیں اور شہر کی مصنوعی زندگی کا متبادل بھی جہاں ویرانی میں بھی ایک خاص ہم آہنگی موجود ہوتی ہے۔ اس حوالے سے عباس تابش کا شعر دیکھیے:

دی ہے وحشت تو یہ وحشت ہی مسلسل ہو جائے
رقص کرتے ہوئے اطراف میں جنگل ہو جائے(۶)

یہ شعر جدید انسان کی اس خواہش کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ اپنی داخلی بے چینی کو اتنی وسعت دے دے کر وہ اس کے لیے ایک پناہ گاہ (جنگل) بن جائے اور وہ دنیا کے مصنوعی ضابطوں سے آزاد ہو سکے۔ عباس تابش کی شاعری میں جنگل دشت اور پرندے باہم پیوست ہیں وہ پرندوں کی نقل مکانی یا پھولوں کی عدم موجودگی کو تہذی و جذباتی زوال کی علامت سمجھتے ہیں ان کے نزدیک فطرت بے جان نہیں بلکہ انسانی رکھوں میں شریک ہے۔

جون ایلیا:

جون ایلیا کے ہاں جنگل " ان کی نفسیاتی الجھنوں، سماجی بیگانگی اور وجودی کا استعارہ ہے یہ محض درختوں کا مجموعہ نہیں۔ بلکہ تنہائی خوف اور گمشدگی کی کیفیت ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی گوشہ نشینی میں گزاری۔ دنیا کو ایک ایسا جنگل پایا جہاں وہ انسان کے ہجوم میں بھی اکیلے تھے۔ وہ شہر کو بھی اخلاقی اقدار سے محروم جنگل سمجھتے تھے۔ اس حوالے شعر دیکھیے:

جانے بستی میں جنگل ہو یا جنگل میں بستی ہو

ہے کیسی کچھ نا آگاہی آؤ چلونا گاہ چلیں(۷)

جون ایلیاء کا یہ شعر ان کی فکری الجھن اور نا آگاہی کی انتہا کو ظاہر کرتا ہے جو ان کے فلسفہ عدم کا خاصہ ہے۔ یہاں بستی اور جنگل "استعارے مدغم ہو کر یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا ہماری تہذیب وحشی ہو چکی ہے یا ہم نے جنگل میں ہی اپنی خیالی بستی بسالی ہے؟ یہ شناخت کا بحران ہے جہاں حقیقت اور سراب کا فرق مٹ گیا ہے۔ نا آگاہی سے مراد وہ کیفیت ہے جہاں انسان تمام علم کے باوجود کائنات کی حقیقت سمجھنے سے ناکام رہتا ہے۔ کیونکہ جب بستی اور جنگل کا فرق ختم ہو جائے۔ تو دانستہ سفر بے معنی ہو جاتا ہے یہ شعر ذہنی خلفشار اور سمت کے تعین میں ناکامی کو ظاہر کرنا ہے۔ جون ایلیاء جنگل کے استعارے کو سماجی قید کرب سے قرار اور تہذیبی منافقت چھوڑ اپنی وحشت "منانے کا مقام ہے۔ شعر دیکھیے:

اپنی گلیاں اپنے رہنے اپنے جنگل اپنی ہوا
چلتے چلتے وجد میں آئیں راہوں میں بے راہ چلیں(۸)

جون ایلیا کے ہاں جنگل کا استعارہ صرف درختوں کے مجموعے کی بجائے ان کی نفسیاتی الجھنوں بیگانگی اور وجودی / کرب کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی کیفیت ہے جہاں انسان خود کو تنہا، ہر انسان اور گمشدہ محسوس کرتا ہے۔ اس استعارے کے اہم پہلوؤں میں شاعر کی ذاتی تنہائی اور دنیا سے بیزاری شامل ہے۔ جہاں وہ ہوا بھی اکیلے پن کا شکار رہتے ہیں جنگل وحشت اور خوف کی علامت کے طور پر بھی ابھرنا اور انسانی رشتوں کی ہے جو شہر کی مصنوعی زندگی اور انسانی بے وفائی کا رد عمل ہے۔ یہ شاعر کی باغیانہ طبعیت، معاشرتی اصولوں سے اعراف اور کچھ مثالیہ کی لاحاصل جستجو کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ ان میں جنگل کا استعارہ سماجی قید و بند سے آزادی، لامحدود وقیمت اور خود مختاری کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے یہاں جنگل شہر کی مصنوعی زندگی کے متضاد ہے جہاں شام اپنی مرضی کے مطابق ہے راہ روی "میں اپنی منزل تلاش کرتا ہے یہ روایت سے بغاوت، خود شناسی اور فطرت سے قربت سے حاصل ہونے والی وجدانی کیفیت کی عکاسی کرتا ہے جون ایلیا کے نزدیک سچی زندگی وہی ہے جہاں انسان کسی کا سیر کا فقیر بنے بغیر اپنی راہ خود تلاش کرے۔

جاوید اختر:

جاوید ان کی شاعری میں جنگل کا استعارہ کسی ایک مادی جگہ تک محدود نہیں بلکہ یہ انسانی وجود کی داخلی اور خارجی صورتحال کی ایک گہری عکاسی کرتا ہے ان کے شعری مجموعوں. یا خصوصی "ترکش اور لاوا" میں یہ استعارہ مختلف جہتوں میں ابھرتا ہے۔ جاوید اختر کی سب سے. مشہور غزل میں اس بات کی عکاسی کرتی ہے۔

دکھ کے جنگل میں پھرتے ہیں کیا سے مارے مارے لوگ
جو ہوتا ہے سہہ لیتے ہیں بے چارے! لوگ
جیوں جیون ہم نے جگ میں کھیل یہی ہوتے دیکھا
دھیرے دھیرے جیتی دنیا دھیرے دھیرے ہارے لوگ(۹)

جاوید اختر کی یہ مشہور غزل ان کی کتاب ""ترکش" سے ماخوذ ہے یہ غزل انسانی ہے بسی، تقدیر کے کھیل اور سماجی ناانصافی کی عکاسی کرتی ہے یہاں انسانی زندگی کو دکھوں سے بھرے ایک ایسے جنگل سے تشبیہ دی گئی ہے جہاں لوگ بے سمتی میں دکھ سہتے

ہیں۔ شاعر وقت کو ایک ظالم اور بے نیاز بادشاہ قرار دیتا ہے۔ جس کے آگے انسان مکمل طور پر بے بس ہے۔ یہ غزل موجودہ معاشی نظام پر گہرا طنز کرتی ہے۔ جہاں زندہ رہنے کے لیے لوگوں کو اپنے خواب قربان کرنے پڑتے ہیں۔ اس میں اس بات پر سوال اٹھایا گیا ہے کہ نیکی ہمیشہ کام نہیں کرتی کیونکہ شاعر نے نیک لوگوں کو بھی بے بسی کی حالت میں مرتے دیکھا ہے۔ بالآخر یہ غزل صرف ذاتی غم نہیں بلکہ انسان کے مادی دنیا میں روح اور خوابوں کو کھو دینے کا ایک سماجی نوحہ ہے اس حوالے سے جاوید اختر کی نظم دیکھیے:

کسی کا غم سن کے
میری پلکوں پر
ایک آنسو جو آگیا ہے
یہ آنسو کیا ہے؟
یہ آنسو ایک گواہ ہے
میری دردمندی کا مری انسان دوستی کا
اور کچھ نہیں ہے
جہاں سے آگے ہیں
الجھنوں کے گھنیرے جنگل (۱۰)

نظم آنسو "میں جنگل" محض درختوں کا مجموعہ نہیں۔ بلکہ انسانی زہن کی گرائیوں میں بھی الجھنوں، پیچیدگیوں اور لاشعور کا ایک طاقتور استعارہ ہے یہ وہ ذہنی کیفیت ہے۔ جہاں انسان دکھوں اور سماجی مصلحتوں کے درمیان راستہ کھو دیتا ہے اور جہاں پوشیدہ غم و جذبات چھپے ہوتے۔ ہیں جہنیں ظاہر کرنے کی اجازت نہیں جنگل کی تاریکی، خوف تنہائی اور دبی ہوئی یادوں کو ظاہر کرتی ہے جیسے خوابوں کی قبریں اور محبت کے اجڑے باغ اس ذہنی جنگل سے باہر نکلنے کی خواہش کی میں ایک آنسو کر دوسرے کے غم میں راستہ ملتا ہے اور وہ اظہار تک پہنچ جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ جنگل انسانی انا اور سماجی دباؤ کے درمیان نہیں ہوتی اس خاموش دنیا کی علامت ہے جہاں سچائی گہری تہوں میں چھپی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ناصر کاظمی دیوان، ناصر کاظمی، امین الدولہ پارک لکھنؤ، ۱۹۷۷ء، ص:۳۱
۲۔ کلیات احمد فراز، احمد فراز، ناشر خالد شریف، جامعہ ہمدرد دہلی ۱۹۸۹ء، ص:۶۹۴
۳۔ جنگل میں دھنک، منیر نیازی، ماورا پبلیشر لاہور، ۱۹۹۳ء، ص:۴۰، ۶۲
۴۔ روشنی اے روشنی، شکیب جلالی، بک ڈپو حیدرآباد، ۱۹۹۷ء ص:۴۲
۵۔ اگر میں شعر نہ کہتا، عباس تابش، ناشر الحمد پبلیشر لاہور، ۲۰۲۲ء ص:۱۸۱
۶۔ کلیات جون ایلیاء، جون ایلیاء، ناشر محمد ناصر خاں، ایجوکیشن مشن لائبریری اینڈ ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۵ء، ص:۲۵۶
۷۔ ترکش جاوید اختر، ناشر، سٹار پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص:۱۴۱
۸۔ لاوا، جاوید اختر، ناشر راج کمال، ۲۰۱۲ء، ص:۲۵

References in Roman Script:

1. Nasir Kazmi, Diwan-e-Nasir Kazmi, Ameen-ud-Daula Park, Lucknow, 1977, p. 31.
2. Ahmad Faraz, Kulliyat-e-Ahmad Faraz, Nashir: Khalid Sharif, Jamia Hamdard, Delhi, 1989, p. 694.
3. Munir Niazi, Jangal Mein Dhanak, Mawra Publishers, Lahore, 1993, pp. 40, 62.
4. Shakeb Jalali, Roshni Ae Roshni, Book Depot, Hyderabad, 1997, p. 42.
5. Abbas Tabish, Agar Main Sher Na Kehta, Al-Hamd Publishers, Lahore, 2022, p. 181.
6. Jaun Elia, Kulliyat-e-Jaun Elia, Nashir: Muhammad Nasir Khan, Education Mission Library and Research Centre, 2015, p. 256.
7. Javed Akhtar, Tarkash, Star Publications, 2008, p. 141.
8. Javed Akhtar, Lava, Nashir: Raj Kamal, 2012, p. 25